١١٢٠- ابو الحسن (م ٥٤٣- ٦٠٢ھ) ص ٤٣٤ [حفید جمال الاسلام]

١١٢١- الموصلی، جعفر بن محمد بن حمدان، ابو القاسم. ص ٤٣٥

١١٢٢- المریدی[1]، عبد اللہ بن نصر بن عبد العزیز (٤٨٢- ٥٤١ھ) ص ٤٣٥

١١٢٣- محمد بن احمد بن موسی الطوسی (م ٥٤١ھ) ٤٣٥

١١٢٤- المہدی بن ھبۃ اللہ بن المہدی (م ٥٤١ھ) ص ٤٣٥

١١٢٥- المصیصی، نصر اللہ بن محمد بن عبد القوی ابو الفتح الاشعری (٤٤٨- ٥٤٢)
ص ٤٣٥- ٤٣٦

١١٢٦- المراغی، شرف شاہ بن ملکداد، الشریف العباس (م ٥٤٣ھ) ص ٤٣٦

١١٢٧- المرادی[2]، علی بن سلیمان بن احمد، ابو الحسن الاندلسی (م ٥٤٤ھ) ص ٤٣٦

١١٢٨- ابو المعالی، عبد الملک بن نصر بن عمر المعروف بشیخ المشائخ۔
(م ٥٤٥ھ) ص ٤٣٦

١١٢٩- المارشکی[3]، محمد بن الفضل بن علی، ابو الفتح (م ٥٤٩ھ) ص ٤٣٧

١١٣٠- المروزی، محمد بن عبد الرحمن بن عبد اللہ ابو الفتح الجمدوہی (٤٦٧-
٥٥٠ھ) ص ٤٣٧

١١٣١- المغربی، علی بن معصوم بن ابی ذر، ابو الحسن (٤٨٩- ٥٥٠ھ)
ص ٤٣٧

---

[1] قال الاسنوی: "المریدی منسوب الی مرید وھو احدی بلاد آذربیجان" دیکھئے: طبقات الشافعیۃ للاسنوی ص ٤٣٥

[2] مرادی طرف نسبت ہے۔ مُراد اندلس میں قرطبہ کے قریب ایک قلعہ ہے (معجم ٥/٩٩)

[3] مارشک (بکسر الراء و الشین المعجمۃ) طوس میں ایک گاؤں ہے (معجم ٥/٣٩)

۱۱۳۲ - المالکانی[1]، عبداللہ بن میمون بن عبداللہ الکوفنی[2] (۴۹۰-۵۵۱ھ) ص ۴۲۰

۱۱۳۳ - المندائی، احمد بن بختیار، علی، ابوالعباس، الواسطی۔ (۴۷۶-۵۵۲ھ) ص ۴۳۸

۱۱۳۴ - الماکسینی[3]، موسیٰ بن محمود بن احمد، ابوعمران، عزالدین (م ۵۶۰ھ) ص ۴۳۸

۱۱۳۵ - موسیٰ بن محمد (م ۶۰۶ھ) [حفید الماکسینی]

۱۱۳۶ - محمد بن علی بن احمد بن الوزیر نظام الملک، ابونصر (م ۵۶۱ھ) ص ۴۳۹

۱۱۳۷ - ابن الماسح، علی بن ابی الفضائل بن الحسن بن احمد الکلابی ابوالقاسم، الملقب بجمال الأئمۃ (۴۸۸-۵۶۲ھ) ص ۴۳۹

۱۱۳۸ - علی بن عبدالرحمٰن بن مُبادر (م ۵۶۳ھ) ص ۴۳۹

۱۱۳۹ - محمد بن عمر بن احمد، ابوموسیٰ الاصبہانی (۵۰۱-۵۸۱ھ) ص ۴۴۰

۱۱۴۰ - الموصلی، عبداللہ بن سعد بن علی ابوالفرج المعروف بابن الدھان الملقب بالمہذب ویعرف بالحمصی (م ۵۸۱ھ) ص ۴۴۰

۱۱۴۱ - المقتول شہاب الدین، یحییٰ بن حسن، ابوالفتوح السہروردی۔ (م ۵۸۷ھ) ص ۴۴۱

۱۱۴۲ - الموصلی، محمد بن محمد، ابوالبرکات الأنصاری۔ (م ۵۳۰-۶۰۰ھ) ص ۴۴۱

(جاری)

---

[1] قال الاسنوی: "مالکان قیل اسم قریۃ ایضاً" (طبقاتہ ص ۴۳۸)

[2] قال الاسنوی: "وکوفن بکاف مضمومۃ وواو ساکنۃ بعدھا نون، قریۃ من ابیورد" (طبقاتہ ص ۴۳۸)

[3] ماکسین (بکسر الکاف والسین) خابور میں ایک شہر ہے (معجم ۴۳/۵)

سید احمد شہیدؒ اور اُن کے دیوبندی رفقاء

(تاریخ دیوبند کے زیرِ تالیف جدید ایڈیشن کا ایک باب)

از سید محبوب رضوی

(۲)

دیوبند کے رفقاء

دیوبند کے شیخ بلند بخت سردھنہ (میرٹھ) میں بیعت کر چکے تھے[۱] سید صاحب کی خدمت میں جو لوگ پیش پیش رہے تاریخ میں ان کے نام تو ملتے ہیں مگر حالات کا پتہ نہیں چلتا۔ سید صاحب کا یہ دورہ ۱۲۳۴ھ۔ ۱۸۱۸ء میں ہوا تھا جس پر ڈیڑھ سو سال سے زائد گذر چکے ہیں، اتنی طویل مدت کے بعد تفصیلی حالات کا مہیا ہونا بہت مشکل ہے۔ جن لوگوں کے حالات معلوم ہو سکے وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ سید مقبول۔ ان کا پورا نام سید مقبول عالم ہے۔ دیوبند کے خاندان سادات سے تھے۔ ان کے مورث اعلیٰ ہندگی سید محمد ابراہیم ہیں۔ یہ راقم السطور کے ہم جد تھے۔

۲۔ مولوی شمس الدین۔ مولانا عبدالخالق صاحب جنھوں نے دیوبند کی جامع مسجد کی تعمیر میں زبردست خدمات انجام دیں اون کے والد بزرگوار تھے۔ جامع مسجد دیوبند کی امامت و خطابت ان ہی کی اولاد میں اب تک چلی آ رہی ہے۔ دیوبند کے مشہور بزرگ شاہ ولایت صاحبؒ کے مزار کے قریب مدفون ہیں، فقہی مسائل میں ایک رسالہ "شریعت کا لٹھ" ان کی تصنیف ہے۔

---

[۱] سید احمد شہید جلد اول ص ۱۲۵

مولوی شمس الدین صاحب ابتداءً بدعات کی جانب مائل تھے۔ دیوبند میں سید صاحبؒ کے ورود کی خبر سن کر مخالفت کے جوش میں ایک ہجو لکھی جو اسی وقت بچے بچے کی زبان پر چڑھ گئی۔ ایک مرتبہ سید صاحب کے دوران قیام میں یہ دیکھنے کے لئے قاضی مسجد میں آئے کہ آخر سید صاحب کی جانب لوگوں کا اس قدر رجوع کیوں ہے۔ مسجد عقیدت مندوں سے بھری ہوئی تھی۔ مولوی صاحب مجمع میں ایک طرف بیٹھ گئے، سید صاحبؒ نے فوراً ان کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا کہ "آپ ہی نے ہماری ہجو میں اشعار لکھے ہیں؟" سید صاحب نے یہ الفاظ کچھ ایسے انداز میں فرمائے کہ مولوی صاحب تڑپ گئے۔ اور معذرت کے بعد عرض کیا کہ "اس گستاخی پر میں شرمندہ ہوں خدا کے لیے معاف کر دیجیے اور حلقۂ بیعت میں داخل فرما لیجیے" سید صاحب نے بیعت کر لیا اور مرید ہو کر بالکل سید صاحب کے رنگ میں ڈوب گئے[1]

۳۔ شیخ رجب علی۔ ان کے والد کا نام شیخ خرم مند تھا۔ دیوان لطف اللہ عثمانی جو امرائے شاہجہانی میں سے تھے، ان کی اولاد میں ہیں، دیوان لطف اللہ کے شاندار محل کا بوسیدہ اور شکستہ دروازہ آج بھی اپنی عظمتِ رفتہ کی شہادت دے رہا ہے۔

دیوبند کی عیدگاہ کے خطیب مولانا محمد مبین صاحب (وفات ۱۳۸۹ھ ۱۹۶۹ء) ان ہی شیخ رجب علی کے پوتے تھے، مولانا محمد مبین صاحب شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ کی انقلابی پارٹی کے مخصوص اراکین میں سے تھے —، پارٹی کی سیاسی اور انقلابی سرگرمیوں کے لئے سرمایہ کی فراہمی کا کام ان کے سپرد تھا۔ مولانا محمد متین خطیب عیدگاہ کراچی ان کے فرزند رشید ہیں۔

---

[1] زبانی روایات کے علاوہ یہ واقعہ سفرنامہ دہلی اور اس کے اطراف میں بھی منقول ہے۔ ص ۹۷، ۹۸

۴۔ مولوی بشیر احمد۔ ان کے والد کا نام شیخ غریب اللہ تھا۔ دیوبند کے مشہور طبیب حکیم صفت احمد مرحوم کے پردادا تھے۔ یہ بھی دیوان لطف اللہ خاں کے اخلاف میں ہیں مولوی غریب اللہ کا مکان منصفی کے نام سے موسوم ہے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہدِ حکومت تک اس خاندان میں منصفی کا عہدہ قائم رہا۔

۵۔ مولوی فریدالدین۔ والد کا نام شیخ محمود بخش ہے۔ دیوان لطف اللہ کی اولاد میں تھے، دارالعلوم کے دوسرے مہتمم مولانا رفیع الدینؒ کے والد ماجد تھے، دارالعلوم کے شمالی دروازے کے سامنے میدان میں ان کی قبر ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے تحصیل علم کی تھی۔ اپنے زمانہ کے مشہور بزرگ ہیں۔

۶۔ شیخ بلند بخت۔ مولوی فریدالدینؒ کے چھوٹے بھائی تھے، شیخ بلند بخت کے دو چھوٹے بھائی مقصود علی اور سید احمد بھی سید صاحبؒ کے ساتھ شریک جہاد تھے۔ دیوبند کے لوگوں میں سید صاحبؒ سے بیعت کرنے والوں میں شیخ بلند بخت سب سے پہلے شخص تھے، یہ سردھنہ (میرٹھ) میں بیعت کر چکے تھے۔ سید صاحب اہم معرکوں کے سر کرنے کے لئے ان کو مامور فرماتے تھے۔ چنانچہ کوہ کنیرڑی کی جنگ میں لڑائی کا نقشہ کچھ بگڑ گیا تھا۔ مگر شیخ بلند بخت نے اپنی عسکری مہارت اور جرأت و ہمت سے جنگ جیت لی۔ ایک مرتبہ مولانا محمد اسمٰعیل شہید نے اپنی جگہ ان کو جانشین بنایا تھا۔

شیخ بلند بخت شجاعت و مردانگی اور فن سپہ گری کے ساتھ فہم و دانش اور حسن تدبیر کے اوصاف سے بھی متصف تھے، سید صاحبؒ کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ "ڈر، موت کے خوف سے پیدا ہوتا ہے۔ ہم اپنی جانیں خدا کی راہ میں قربان کر چکے ہیں پس ہمیں کیا ڈر ہے۔" ان کی مہر پر یہ الفاظ کندہ تھے۔

بفضلِ خدا گشت بختم بلند [1]

---

[1] جماعت مجاہدین ۳۷، ۴۲، ۷۹، ۸۰

صوبہ سرحد میں چھپر بائی کی گڑھی پر حملے میں شیخ بلند بخت کے بھائی مقصود علی[1] نے دوسرے چند غازیوں کے ساتھ جام شہادت نوش کیا، جب ان کو بھائی کی شہادت کی خبر ملی تو نہایت صبر وضبط سے فرمایا۔ الحمد للہ میرا بھائی جو مراد لے کر آیا تھا وہ پوری ہوگئی، ہم سب کو اللہ تعالیٰ شہادت نصیب کرے۔ چنانچہ بالاکوٹ کے معرکے میں سید صاحبؒ کے ساتھ ان کی یہ آرزو پوری ہوگئی۔ گولی کھا کر شہادت سے سرفراز ہوئے، سید صاحبؒ کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ مقصود علی پشتو بے تکلف بول لیتے تھے، ایک موقع پر ان کی پشتو دانی کی وجہ سے مجاہدین کو بڑی کامیابی ہوئی۔

۷۔ مولوی جعفر علی بستوی نے شہدائے بالاکوٹ میں دیوبند کے دو نام لکھے ہیں۔ شیخ بلند بخت اور سلّو خاں۔ راقم السطور کا خیال ہے کہ سلو خاں اصل میں سید احمد ہیں۔ سلّو بچپن کا نام ہے جو بعد میں ان کی جرارت ومردانگی اور تہور کی بنا پر سلّو خاں زبان زد ہوگیا۔ یہ شیخ بلند بخت کے سب سے چھوٹے بھائی تھے۔ راقم السطور کا یہ ننہیالی خاندان ہے

شیخ بلند بخت اور سید احمد دونوں بھائیوں کی نسبت خاندان میں یہ روایت مشہور ہے کہ بالاکوٹ میں دونوں نے شہادت پائی ہے[2]

مولانا غلام رسول مہر نے لکھا ہے کہ بالاکوٹ کے معرکے میں ایک پل کے تڑوانے کی ضرورت پیش آئی تاکہ دشمن ادھر سے حملہ نہ کر سکے، سید صاحب نے شیخ نصراللہ خورجوی اور سلّو خاں کو بھیجا۔ انھوں نے پل توڑ دیا۔ معرکہ بالاکوٹ میں سید صاحبؒ کے اُس خاص دستے میں شامل تھے جس نے نہایت جرارت اور بہادری کے ساتھ لڑتے ہوئے سید صاحب کے ساتھ،

---

[1] سید صاحبؒ کے تذکرہ نگاروں نے یہ نام علی محمد لکھا ہے۔ خاندانی شجرہ کے مطابق صحیح نام مقصود علی ہے۔ علی محمد شیخ بلند بخت کے کوئی بھائی نہیں تھے۔

[2] سید احمد شہید جلد اول ص ۱۲۵ جلد دوم ص ۱۳۱ و ۲۶۶ و ۱۷۱ و ۳۵۵ و ۴۲۳

جام شہادت نوش کیا[1] ان کی شہادت کی تفصیل نہیں ملتی۔ اس لئے کہ اس دستے کے سب ہی لوگوں نے شہادت حاصل کی، حالات بتانے والا کوئی زندہ نہیں بچا۔

خاندان میں شیخ بلند بخت اور ان کے دونوں شہید بھائیوں مقصود علی اور سید احمد کی نسبت بڑی عقیدت مندی سے چند عجیب وغریب واقعات بیان کیے جاتے ہیں انسان کی فطرت ہمیشہ عجوبہ پسندی رہی ہے۔ محیر العقول کارنامے، خارق عادات اور عجیب وغریب واقعات اس کے لیے بڑی کشش رکھتے ہیں۔ ایسے معتقدات بحث ونظر کے لائق نہیں ہوتے، عوام کے دل ودماغ ہر وقت عجائب کاریوں کی تلاش وجستجو میں سرگرم رہتے ہیں اور عجائب پرستی کی رنگ آمیزیاں بات کو کچھ سے کچھ بنا دیتی ہیں اسی لیے میں نے انکے بیان کرنے سے احتراز کیا ہے۔

۸۔ مجاہدین کے سب سے پہلے معرکہ میں جو اکوڑہ (صوبہ سرحد) میں پیش آیا۔ جس میں ۳۷ مجاہدین شہادت سے سرفراز ہوئے ان میں دیوبند کے ایک صاحب عبدالرزاق صاحب بھی شامل تھے۔ اس واقعہ پر ڈیڑھ سو سال گذر چکے ہیں اس لئے عبدالرزاق کے حالات معلوم نہ ہوسکے[2]

۹۔ شہدائے بالاکوٹ میں دیوبند کے عبدالعزیز کا نام بھی ملتا ہے ان کے حالات کا بھی علم نہ ہوسکا۔

۱۰۔ غازی حفیظ اللہ، دیوبند کے ایک بزرگ شیخ ابوالبرکات (جن کے نام پر محلہ ابوالبرکات موسوم ہے) کی اولاد میں سے تھے۔ سید صاحبؒ کی معیت میں شریک جہاد رہے۔

---

[1] ۔ سید احمد شہید جلد دوم ص ۱۸۱ و ۱۳۴

[2] ۔ 〃 〃 〃 ص ۱۴۴

اس زمانہ میں مسلمانوں کے معاشرے میں سنت کے طریقے کے مطابق السلام علیکم کا رواج بہت کم ہوگیا تھا۔ یہ صرف برابر والوں کے لئے مخصوص تھا۔ چھوٹے اپنے بڑوں کے لئے سلام یا آداب عرض کے الفاظ استعمال کرتے تھے۔ چھوٹوں کا اپنے بڑوں کو السلام علیکم کہنا گستاخی پر محمول کیا جاتا تھا۔ سید صاحبؒ کے ذریعہ سے جہاں معاشرے میں اور مفید اصلاحیں ہوئیں ان ہی میں سے ایک السلام علیکم کا رواجِ عام بھی ہے چنانچہ پہلی دفعہ جب شیخ حفیظ اللہ صاحب نے اپنے والد کو السلام علیکم کہا تو وہ بہت ناراض ہوئے اور کہا کہ "مجھے معلوم ہے تمہیں کس نے سکھایا ہے، میں اسے سمجھوں گا"۔ مگر رفتہ رفتہ وہ خود متاثر ہوئے اور یہاں تک بدلے کہ بیٹے کے ہاتھ پر جن کو سید صاحبؒ سے خلافت ملی تھی بیعت کرلی[1]۔

مولانا غلام رسول مہر نے سید صاحبؒ کے بارے میں غازی حفیظ اللہ کی متعدد روائتیں نقل کی ہیں، جنگ بالاکوٹ میں آخر تک سید صاحبؒ کے ساتھ شریک رہے۔ مہر صاحب نے لکھا ہے کہ "حفیظ اللہ دیو بندی سید صاحب کے پاس نالے میں پہنچ گئے تھے۔ وہاں ان کی بائیں آنکھ کے نیچے تیر لگا اور اس کا پیکان باہر ہوگیا، میاں جی چشتی نے انہیں پن چکیوں کے پاس سایہ دار درختوں میں بھیج دیا۔ راستہ میں انہیں امان اللہ خاں لکھنوی اور چند غازی ملے۔ جو سید صاحبؒ کے پاس جارہے تھے حفیظ اللہ بھی ان کے ساتھ جانے لگے۔ دوسرے غازیوں نے انہیں یہ کہہ کر روک دیا کہ آپ زخم کی وجہ سے معذور ہیں، وہ پھر پن چکیوں کے پاس پہنچے۔ اور ایک درخت کے سایہ میں بیٹھ رہے۔ بعد میں سید صاحبؒ کا فیل بان ان کا ہاتھ پکڑ کر میدان سے باہر لے گیا[2]۔

---

[1] سیرت سید احمد شہید بحوالہ شاندار ماضی جلد دوم ص ۱۰۴
[2] سید احمد شہید ص ۳۴۴ بحوالہ وقائع جلد سوم ص ۲۱۰ و ۲۱۱

سید صاحب کی شہادت کے بعد ان پر وارفتگی کا عالم طاری ہوگیا تھا جب ٹونک میں سید صاحب کے رفقا رجمع ہوئے تو یہ بھی ٹونک چلے گئے، مگر وارفتگی طاری تھی۔ وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔ ایک مرتبہ دیوبند سے گذر رہے تھے۔ لوگوں نے دیکھا تو ان کو گھیر لیا اور اصرار کیا کہ گھر چلیے، بیوی بچے آپ کی جدائی سے مغموم اور پریشان ہیں۔ لوگ باصرار گھر لے آئے۔ دیوبند میں غازی کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔

وہابیت کے الزام کی حقیقت | انگریزوں کی جانب سے سید صاحبؒ اور جماعت مجاہدین پر وہابیت کا جو الزام لگایا تھا ضرورت ہے کہ تاریخی طور پر اس کا جائزہ لے کر یہ دیکھا جائے کہ حقیقت واقعہ کیا ہے؟

سید صاحبؒ اور مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ کی نسبت بڑے شد و مد سے کہا گیا ہے کہ ان کی اصلاحی تحریک نجد کی اصلاحی تحریک سے اخذ کی گئی ہے۔ اس بنا پر جس طرح شیخ محمد بن عبدالوہاب (۱۱۱۵ھ / ۱۷۰۳ء، ۱۲۰۶ھ / ۱۷۹۲ء) کے متبعین کو وہابی کہا جاتا ہے اسی طرح ان علمار کو بھی وہابی سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جو کتاب و سنت کے مطابق اصلاح عقائد و اعمال کی دعوت دیتے رہے ہیں۔ مگر تاریخی عوامل سے اس الزام کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

بارھویں صدی ہجری میں عرب کے صوبہ نجد میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تحریک کا آغاز ہوا۔ اصلاحِ عقائد و اعمال سے اس کی ابتدا ہوئی۔ مگر بہت جلد اس نے سیاسی نوعیت اختیار کرلی، عرب و حجاز کے مقامات پر قابض ہونے کے بعد متبعینِ شیخ نے خلافت عثمانیہ کے مقبوضات پر حملے شروع کر دیئے۔ ترکوں اور متبعین شیخ کے مابین متعدد جنگیں ہوئیں، یہاں تک کہ ۱۲۳۳ھ، ۱۸۱۷ء میں خلافت عثمانیہ کی فوجوں نے نجد کے پایۂ تخت درعیہ پر قبضہ کرلیا، شیخ محمد بن عبدالوہاب کے خاندان کے بہت سے افراد قتل ہوگئے۔

اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ سید صاحبؒ اور مولانا محمد اسمٰعیل شہید نے ایک بڑے قافلہ کے ساتھ ۱۲۳۷ھ ۱۸۲۱ء میں پہلی مرتبہ حج کیا۔ ظاہر ہے کہ شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کے افکار و خیالات سے سرزمین حجاز میں روشناس ہونے کا یہی موقع ہو سکتا تھا۔ ورنہ اس دور میں انگریزوں، فرانسیسیوں اور پرتگالیوں کی سمندری تاخت نے بحری سفر کو خطرناک بنا دیا تھا۔

سلطنت مغلیہ کے آخری دور میں بحر ہند اور بحر عرب پر پرتگیزیوں اور انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ انھوں نے کئی مرتبہ حجاج کے جہازوں کو لوٹ لیا تھا۔ اس وجہ سے بعض حیلہ جو علماء کو عذر تراشی کا موقع مل گیا، اور انھوں نے یہ سمجھ لیا کہ حج کے راستہ میں امن باقی نہیں رہا ہے جو شرائط حج میں سے ایک شرط ہے۔ اور جب شرط باقی نہیں رہی تو شرط کی فرضیت ختم ہو گئی ہے۔

اگرچہ اسی وقت حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ حضرت مولانا محمد اسمٰعیل اور حضرت مولانا عبدالحئی نے اپنے فتاویٰ کے ذریعہ سختی کے ساتھ اس کی تردید کی تھی۔ مگر اس کے لئے عملی اقدام کی بھی ضرورت تھی۔ سید صاحبؒ کے عزم حج میں یہ مقصد بھی پیش نظر تھا کہ لوگوں کے دلوں سے ڈر اور خوف کو دور کیا جائے۔ چنانچہ اس میں کامیابی حاصل ہوئی اور حج کرنے کا جو سلسلہ بند ہو چکا تھا۔ سید صاحبؒ کے حج کرنے کے بعد از سرنو جاری ہو گیا[۱]

سید صاحبؒ کے اصلاحی و تبلیغی دورے سفر حج سے بہت پہلے شروع ہو چکے تھے، ان کا آغاز ۱۲۳۳ھ، ۱۸۱۸ء میں سید صاحبؒ کی ٹونک سے واپسی کے بعد ہوا[۲]

---

[۱] تفصیل کے لئے دیکھئے سید احمد شہید مصنفہ غلام رسول مہر جلد اول باب ۱۶

[۲] سید احمد شہید جلد اول ۱۱۱

اسی زمانہ میں سفر حج سے قبل مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ نے اپنی مشہور کتاب تقویۃ الایمان لکھی۔

ارواح ثلاثہ میں امیر شاہ خاں[1] صاحب کی یہ روایت مذکور ہے،

"مولوی اسمٰعیل صاحب نے تقویۃ الایمان اول عربی میں لکھی تھی۔ چنانچہ اس کا ایک نسخہ میرے پاس اور ایک نسخہ مولانا گنگوہیؒ اور ایک نسخہ مولوی نصراللہ خاں خورجوی کے کتب خانہ میں تھا۔ اس کے بعد مولانا نے اس کو اردو میں لکھا اور لکھنے کے بعد اپنے خاص خاص لوگوں کو جمع کیا۔ جن میں سید صاحبؒ، مولوی عبدالحئی صاحب، شاہ اسحاق صاحب مولانا محمد یعقوب صاحبؒ، مولوی فریدالدین مرادآبادی۔ مومن خاں (مومن) عبداللہ خاں علوی (استاد امام بخش صہبائی، مولانا مملوک علی صاحب) بھی تھے۔

ان کے سامنے تقویۃ الایمان پیش کی اور فرمایا میں نے یہ کتاب لکھی ہے۔ اور میں جانتا ہوں کہ اس میں بعض جگہ ذرا تیز الفاظ بھی آگئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہوگیا ہے۔

---

[1] ۔ حاجی امیر شاہ خاں صاحب خورجہ کے رہنے والے تھے، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے حلقۂ مریدین میں شامل تھے، اپنے زمانہ کے بہت سے بزرگوں سے فیض حاصل کیا تھا۔ اگرچہ عالم نہ تھے۔ مگر فہم سلیم کے ساتھ قوتِ بیان پر پوری قدرت رکھتے تھے، حافظہ نہایت قوی تھا، بزرگوں کے بہت سے واقعات ان کو ازبر تھے۔ خصوصاً خاندان ولی اللہ کے علما، ومشائخ کے حالات کے تو گویا حافظ تھے۔ ان کی نسبت مشہور تھا کہ بزرگوں کی زندہ تاریخ ہیں۔ ارواح ثلاثہ میں ان کی بیان کی ہوئی بہت سی روائتیں جمع کر دی گئی ہیں۔ یہ ۴۸ بزرگوں کا چار سو سے اوپر روایات کا مجموعہ ہے۔ دارالعلوم دیوبند سے بڑا تعلق تھا۔ یہاں آتے اور مہینوں قیام فرماتے۔ ۱۳۴۳ھ میں بمقام منیڈھو ضلع علی گڑھ وفات پائی۔

مثلاً ان امور کو جو شرک خفی تھے شرک جلی لکھ دیا گیا ہے۔ ان وجوہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی اشاعت سے شورش ضرور ہوگی۔ اگر میں یہاں رہتا تو ان مضامین کو آٹھ دس برس میں بتدریج بیان کرتا۔ لیکن اس وقت میرا ارادہ حج کا ہے اور وہاں سے واپسی کے بعد عزم جہاد ہے۔ اس لیے میں اس کام سے معذور ہو گیا اور میں دیکھتا ہوں کہ دوسرا اس بار کو اٹھائے گا نہیں۔ اس لیے میں نے یہ کتاب لکھ دی ہے، گو اس سے شورش ہوگی۔ مگر توقع ہے کہ لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جائیں گے۔ یہ میرا خیال ہے، اگر آپ حضرات کی رائے اشاعت کی ہو اشاعت کی جائے۔ ورنہ اسے چاک کر دیا جائے۔ اس پر ایک شخص نے کہا کہ اشاعت تو ضرور ہونی چاہیے مگر فلاں فلاں مقام پر ترمیم ہونی چاہیے۔ اس پر مولوی عبدالحی صاحب، شاہ اسحاق صاحب، عبداللہ خاں علوی و مومن خاں نے مخالفت کی اور کہا کہ ترمیم کی ضرورت نہیں۔ اس پر آپس میں گفتگو ہوئی اور گفتگو کے بعد بالاتفاق یہ طے پایا کہ ترمیم کی ضرورت نہیں ہے اور اسی طرح شائع ہونی چاہیے۔ چنانچہ اسی طرح اس کی اشاعت ہو گئی، اشاعت کے بعد مولانا شہیدؒ حج کو تشریف لے گئے اور حج سے واپسی کے بعد چھ مہینے دلی میں قیام رہا۔ اس زمانہ میں مولانا اسمٰعیل گلی کوچوں میں وعظ فرماتے تھے۔ اور مولوی عبدالحی صاحب مساجد میں، چھ مہینے کے بعد جہاد کے لیے تشریف لے گئے۔ یہ قصہ میں نے مولوی عبدالقیوم صاحب اور اپنے استاد میاں جی محمدی صاحب وغیرہ سے سنا ہے[1]

---

[1] ۔ ارواح ثلاثہ حکایت ۵۹ تقویۃ الایمان مصنفہ مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ کا ایک قدیم مطبوعہ نسخہ جو اردو میں ہے اور ۱۲۴۲ھ، ۱۸۲۶ء کا چھپا ہوا ہے دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ یہ نسخہ کلکتہ کے مطبع احمدی میں نستعلیق ٹائپ میں ہے۔ سید عبداللہ ابن سید بہادر علی کے اہتمام سے چھاپا گیا ہے۔ گویا مصنف کی زندگی ہی میں انکی شہادت ۱۲۴۶ھ، ۱۸۳۱ء سے چار سال پہلے شائع ہو چکا تھا۔ (باقی اگلے صفحہ پر دیکھیے)

مذکورہ بالا روایت سے صاف طور پر واضح ہے کہ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ تقویۃ الایمان حجاز جانے سے قبل لکھ چکے تھے، اولاً یہ کتاب عربی میں لکھی گئی اور بعد ازاں اردو میں تصنیف ہوئی بعض مضامین میں شدت پیدا ہو جانے کا مصنف نے خود بھی اعتراف کیا ہے۔ غالباً یہ شدت اس دور میں شرک و بدعات کے کثرت سے پھیل جانے کا نتیجہ ہے۔

مولانا شہیدؒ ان مضامین کو بتدریج آٹھ دس سال میں بیان کرنا چاہتے تھے مگر حالات کے تقاضے نے ان کو عجلت پر مجبور کر دیا۔

اس روایت سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ تقویۃ الایمان کے مضامین کے سلسلہ میں مولانا شہید منفرد نہ تھے۔ بلکہ خاندان ولی اللہ کے ممتاز علماء حضرت شاہ محمد اسحاقؒ، حضرت شاہ محمد یعقوبؒ اور حضرت مولانا عبدالحئیؒ کے علاوہ مولوی عبداللہ خاں علوی، مولوی فریدالدین مراد آبادی، حکیم مومن خاں مومن کو بھی تقویۃ الایمان کے مضامین سے اتفاق تھا۔ اور وہ اس حق میں نہ تھے کہ تقویۃ الایمان کے مسودے کو چاک کر دیا جائے۔

جس زمانہ میں متبعین شیخ محمد بن عبدالوہاب خلافت عثمانیہ کی فوجوں سے برسر پیکار تھے ٹھیک اسی زمانہ میں سید صاحبؒ کی تحریک جہاد شروع ہوئی۔ جس کو بعد میں غلط فہمی کی بنا پر تحریک وہابیت سے متاثر ہونے کا نتیجہ سمجھ لیا گیا۔ حالانکہ اس تحریک کا شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تحریک سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہ تھا۔ یہ تحریک سفر حج سے کئی برس پہلے شروع ہو چکی تھی۔ درحقیقت اس سلسلہ میں انگریزوں کی جانب سے بڑے پر فریب

(حاشیہ سے آگے) تقویۃ الایمان کے چھاپنے والے یہ وہی سید عبداللہ ہیں جنھوں نے ۱۲۴۵ھ ۱۸۲۹ء میں سب سے پہلے حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ کا ترجمہ قرآن مجید شائع کیا ہے۔ سید عبداللہ کے والد سید بہادر علی فورٹ ولیم کالج کے شعبۂ تصنیف و ترجمہ سے وابستہ